مریم البادی کے سفر نامہ "علی نہر کنہار" میں فطرت، ثقافت اور جمالیاتی شعور

Nature, Culture and Aesthetic Consciousness in Maryam Al-Badi's Travelogue "Ala Nahr -e -Kunhar"

عبدالمجید بغدادی

چیئرمین شعبہ عربی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Absract

Maryam Al-Badi's travelogue Ala Nahr Kunhar is an important literary and cultural document in contemporary Arabic travel writing. It portrays the natural beauty, cultural diversity, and social life of northern Pakistan through a highly sensitive literary perspective. The author transforms her travel observations into an aesthetic and intellectual experience in which mountains, rivers, valleys, and lakes become symbols of emotional and artistic consciousness. The travelogue also presents valuable insights into local traditions, hospitality, and cultural values. This article examines the work from the perspectives of nature, culture, and aesthetic consciousness, highlighting its literary and cultural significance.

Keywords: Maryam Al-Badi, Nahr Kunhar, literary, Arabic travel writing, northern Pakistan, mountains, rivers, valleys, literary and cultural significance

پیش لفظ

معاصر عربی سفر نامہ نگاری میں مریم البادی کا سفر نامہ علی نہر کنہار ایک نمایاں ادبی اور ثقافتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سفر نامہ شمالی پاکستان کے قدرتی حسن، ثقافتی تنوع اور انسانی زندگی کے مختلف مظاہر کی عکاسی کرتا ہے۔ مصنفہ نے اپنے مشاہدات کو محض سفری واقعات کی صورت میں بیان نہیں کیا بلکہ انہیں ایک جمالیاتی اور فکری تجربے میں ڈھال دیا ہے۔ بلند پہاڑ، شور مچاتے دریا، برف پوش چوٹیاں، سرسبز وادیاں اور شفاف جھیلیں ان کے ہاں صرف فطری مناظر نہیں بلکہ انسانی احساسات اور جمالیاتی شعور کے مظاہر بن کر سامنے آتی ہیں۔ اسی طرح مقامی باشندوں کی زندگی، ان کی مہمان نوازی، معاشرتی اقدار اور ثقافتی روایات سفر نامے کو ایک اہم ثقافتی متن کی حیثیت

عطا کرتی ہیں۔ اس مقالے میں سفر نامہ علی نھر کنھار کا مطالعہ فطرت، ثقافت اور جمالیاتی شعور کے تناظر میں کیا گیا ہے، تاکہ اس کی ادبی، فکری اور ثقافتی جہات کو واضح کیا جا سکے۔[1]

سفر انسانی زندگی کا ایک ایسا تجربہ ہے جس نے ہر دور میں علم، تہذیب اور ادب کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ مختلف علاقوں، اقوام اور تہذیبوں سے آشنائی کے ذریعے انسان اپنے مشاہدات اور تجربات کو وسعت دیتا ہے، اور یہی مشاہدات جب ادبی قالب میں ڈھلتے ہیں تو سفر نامہ وجود میں آتا ہے۔ جدید ادبی تناظر میں سفر نامہ محض راستوں، مقامات اور واقعات کی تفصیل نہیں بلکہ انسان، فطرت اور ثقافت کے باہمی تعلقات کی تفہیم کا ایک اہم وسیلہ بھی ہے۔[2]

معاصر عربی ادب میں سفر نامہ نگاری نے نئی فکری اور فنی جہات اختیار کی ہیں۔ جدید عربی سفر نامہ نگار اپنے مشاہدات کو محض معلوماتی انداز میں پیش نہیں کرتے بلکہ ان کے پس منظر میں کارفرما انسانی احساسات، ثقافتی مظاہر اور جمالیاتی تجربات کو بھی بیان کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے جدید عربی سفر نامہ ایک ادبی، فکری اور ثقافتی متن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔[3]

اسی تناظر میں مریم البادی کا سفر نامہ علی نہر کنہار خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ سفر نامہ پاکستان کے شمالی علاقوں کی سیاحت پر مبنی ہے، لیکن اس کی اہمیت صرف سفری روداد ہونے میں نہیں بلکہ اس ادبی وژن میں مضمر ہے جس کے ذریعے مصنفہ نے فطرت اور ثقافت کے مختلف مظاہر کو ایک مربوط جمالیاتی تجربے میں تبدیل کیا ہے۔[4]

مصنفہ کے ہاں فطرت محض پس منظر کا کردار ادا نہیں کرتی بلکہ متن کی تشکیل میں فعال عنصر کے طور پر سامنے آتی ہے۔ بلند پہاڑ، برف پوش چوٹیاں، دریا، جھیلیں اور سرسبز وادیاں ان کے بیان میں صرف قدرتی مناظر نہیں بلکہ انسانی احساسات، تفکرات اور روحانی واردات کے مظاہر بن جاتی ہیں۔ اس طرح فطرت خارجی منظر سے آگے بڑھ کر ایک داخلی تجربے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔[5]

سفر نامے کا دوسرا اہم پہلو اس کی ثقافتی جہت ہے۔ مریم البادی نے مقامی باشندوں کی زندگی، ان کے رہن سہن، مہمان نوازی، سماجی تعلقات اور ثقافتی اقدار کو نہایت باریک بینی سے دیکھا ہے۔ ان کے مشاہدات سے شمالی پاکستان کی ثقافت کا ایک ایسا زندہ اور متحرک نقشہ سامنے آتا ہے جو محض معلوماتی نہیں بلکہ تہذیبی اور انسانی معنویت کا حامل ہے۔[6]

یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ مریم البادی کے ہاں فطرت اور ثقافت ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ باہم مربوط عناصر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ قدرتی ماحول انسانی زندگی اور تہذیبی اقدار پر اثر انداز ہوتا ہے، جبکہ

ثقافت اپنے جغرافیائی اور فطری ماحول سے اپنی شناخت اخذ کرتی ہے۔ یہی باہمی ربط سفر نامے کی فکری ساخت کو تشکیل دیتا ہے اور اسے عام سفری تحریروں سے ممتاز بناتا ہے۔[7]

زیرِ نظر مقالے میں مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار کا مطالعہ فطرت، ثقافت اور جمالیاتی شعور کے تناظر میں کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ مصنفہ نے کس طرح قدرتی اور ثقافتی مظاہر کو ایک ادبی تجربے میں ڈھالا اور کس طرح ان کا سفر نامہ معاصر عربی ادب میں جمالیاتی اور ثقافتی شعور کی ایک اہم مثال کے طور پر سامنے آتا ہے۔[8]

فطرت اور جمالیاتی شعور

مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار کا سب سے نمایاں اور مؤثر پہلو فطرت کی جمالیاتی تشکیل ہے۔ اگرچہ یہ سفر نامہ شمالی پاکستان کے سفر کی روداد پر مشتمل ہے، لیکن اس کی اصل ادبی اہمیت ان فطری مناظر کی تخلیقی پیش کش میں مضمر ہے جنہیں مصنفہ نے محض مشاہدے کا موضوع نہیں بنایا بلکہ انہیں احساس، تفکر اور جمالیاتی ادراک کا وسیلہ بھی قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سفر نامے میں فطرت ایک جامد پس منظر کے بجائے ایک متحرک اور معنی خیز وجود کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔[9]

شمالی پاکستان کے پہاڑ مریم البادی کے جمالیاتی شعور کو سب سے زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ وہ ان پہاڑوں کو صرف قدرتی ساختوں کے طور پر نہیں دیکھتیں بلکہ ان میں عظمت، استقامت اور دوام کی علامتیں تلاش کرتی ہیں۔ پہاڑوں کی خاموشی، ان کی بلندیاں اور ان پر پھیلی ہوئی برف انسان کو اپنی محدودیت کا احساس دلاتی ہیں، جبکہ ان کی ہیبت انسان کے تخیل کو وسعت عطا کرتی ہے۔ اس طرح فطرت کا منظر ایک فکری اور وجودی تجربے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔[10]

فطرت نگاری کے ضمن میں مریم البادی رنگوں اور بصری جزئیات سے غیر معمولی استفادہ کرتی ہیں۔ ان کے ہاں سفید برف، نیلا آسمان، سبز میدان اور سیاہ چٹانیں مل کر ایک ایسی تصویری فضا تشکیل دیتے ہیں جو قاری کے ذہن میں دیرپا تاثر چھوڑتی ہے۔ منظر نگاری کا یہی وصف سفر نامے کو محض معلوماتی تحریر کے بجائے ادبی تخلیق کے درجے تک پہنچاتا ہے۔[11]

محمود الرحبی کے مطابق مریم البادی کے ہاں مقام ایک جامد جغرافیائی حقیقت نہیں بلکہ ایک شعری اور جمالیاتی تشکیل ہے۔ ان کے اسلوب میں رنگ، حرکت، روشنی اور احساس اس طرح یکجا ہو جاتے ہیں کہ فطرت ایک

زندہ ادبی وجود میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قاری صرف منظر نہیں دیکھتا بلکہ اس کے اندر پوشیدہ احساسات کو بھی محسوس کرتا ہے۔[12]

سفرنامے میں دریائے کنہار کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ دریا محض ایک قدرتی عنصر نہیں بلکہ پورے سفر کا علامتی محور بن کر سامنے آتا ہے۔ اس کی مسلسل روانی، اس کا شور اور اس کی بے قراری زندگی کے تسلسل اور تغیر کی علامت بن جاتی ہے۔ مصنفہ دریا کے کنارے کھڑی ہو کر صرف پانی کے بہاؤ کا مشاہدہ نہیں کرتیں بلکہ اس کے اندر چھپی ہوئی معنویت کو بھی دریافت کرتی ہیں۔[13]

دریائے کنہار کی ایک اہم خصوصیت اس کی صوتی جمالیات ہیں۔ پانی کی لہروں کی آواز، چٹانوں سے ٹکرانے کی گونج اور بہاؤ کی مسلسل لے ایک ایسا سمعی ماحول پیدا کرتی ہے جو قاری کو بھی اس تجربے میں شریک کر لیتا ہے۔ یوں فطرت کا حسن صرف بصارت تک محدود نہیں رہتا بلکہ سماعت اور احساس دونوں کو متاثر کرتا ہے۔[14]

جھیل سیف الملوک سفرنامے کے حسین ترین مناظر میں شامل ہے۔ مصنفہ اس جھیل کے حسن کو بیان کرتے ہوئے نہ صرف اس کی ظاہری دل کشی کو اجاگر کرتی ہیں بلکہ اس سے وابستہ روحانی اور جذباتی کیفیت کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ جھیل کا شفاف پانی، اس میں منعکس ہوتے پہاڑ اور اس کے گرد پھیلی ہوئی خاموش فضا ایک ایسا منظر تشکیل دیتے ہیں جس میں حقیقت اور خواب ایک دوسرے سے قریب محسوس ہوتے ہیں۔[15]

جھیل سیف الملوک کے بیان میں ایک اور اہم پہلو اس کا داستانی پس منظر ہے۔ مقامی لوک روایات اور عوامی داستانیں اس مقام کو محض ایک جغرافیائی حقیقت نہیں رہنے دیتیں بلکہ اسے تہذیبی اور جمالیاتی علامت میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جھیل کا ذکر سفرنامے میں فطرت اور تخیل کے حسین امتزاج کے طور پر سامنے آتا ہے۔[16]

فطرت کے ان تمام مظاہر کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ مریم البادی کے ہاں قدرتی منظر نگاری کا مقصد صرف حسن کی تصویر کشی نہیں بلکہ انسانی شعور کی تشکیل بھی ہے۔ فطرت انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے، اس کے احساسات کو بیدار کرتی ہے اور اسے کائنات کے وسیع تر تناظر سے جوڑتی ہے۔ یہی پہلو سفرنامے کو عام سیاحتی تحریروں سے ممتاز کرتا ہے۔[17]

اس طرح علی نہر کنہار میں فطرت محض منظر نہیں بلکہ ایک جمالیاتی تجربہ، ایک فکری محرک اور ایک روحانی احساس کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہی خصوصیت مریم البادی کی فطرت نگاری کو معاصر عربی سفرنامہ نگاری میں منفرد مقام عطا کرتی ہے۔[18]

ثقافت اور انسانی منظر نامہ

مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فطرت کے ساتھ ساتھ ثقافت کو بھی غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ مصنفہ نے شمالی پاکستان کے قدرتی مناظر کے مشاہدے کے ساتھ وہاں کے باشندوں کی زندگی، ان کے طرزِ معاشرت، سماجی اقدار اور تہذیبی رویوں کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سفر نامہ صرف جغرافیائی مقامات کی روداد نہیں بلکہ ایک زندہ ثقافتی دستاویز کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔[19]

مصنفہ کی نگاہ میں کسی بھی خطے کی اصل شناخت صرف اس کے پہاڑوں، دریاؤں اور وادیوں سے نہیں بنتی بلکہ وہاں بسنے والے انسانوں اور ان کی تہذیبی اقدار سے تشکیل پاتی ہے۔ چنانچہ وہ جہاں بھی جاتی ہیں، وہاں کے لوگوں کے طرزِ زندگی، ان کی گفتگو، ان کے رویوں اور ان کے سماجی تعلقات کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتی ہیں۔ یہی انسانی عنصر سفر نامے کو محض منظر نگاری سے بلند کر کے ایک تہذیبی مطالعے میں تبدیل کر دیتا ہے۔[20]

شمالی پاکستان کے باشندوں کی مہمان نوازی مریم البادی کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والے عناصر میں شامل ہے۔ وہ متعدد مقامات پر اس خلوص، محبت اور اپنائیت کا ذکر کرتی ہیں جس کا سامنا انہیں اپنے سفر کے دوران ہوا۔ مصنفہ کے مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقامی معاشرے میں مہمان نوازی محض سماجی رسم نہیں بلکہ ایک مضبوط اخلاقی اور تہذیبی قدر کی حیثیت رکھتی ہے۔[21]

مہمان نوازی کے اس رویے کو مصنفہ ایک وسیع تر انسانی تناظر میں بھی دیکھتی ہیں۔ ان کے نزدیک مختلف زبانوں، ثقافتوں اور جغرافیوں سے تعلق رکھنے والے انسانوں کے درمیان خلوص، احترام اور محبت کے رشتے ثقافتی فاصلے کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سفر نامے میں مقامی باشندوں کے ساتھ ان کی ملاقاتیں محض واقعاتی اہمیت نہیں رکھتیں بلکہ بین الثقافتی مکالمے کی علامت بن جاتی ہیں۔[22]

شمالی پاکستان کی سادہ اور فطرت سے قریب زندگی بھی مصنفہ کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ بڑے شہروں کی تیز رفتار زندگی کے مقابلے میں ان علاقوں کی زندگی میں ایک خاص سکون، توازن اور فطری ہم آہنگی محسوس ہوتی ہے۔ مصنفہ اس سادگی کو پسماندگی کے بجائے ایک ایسی انسانی قدر کے طور پر دیکھتی ہیں جو جدید زندگی کے بہت سے مصنوعی رویوں سے محفوظ ہے۔[23]

مقامی آبادی کی محنت، قناعت اور اجتماعی تعاون کے مختلف مظاہر بھی سفر نامے میں نمایاں ہیں۔ دشوار گزار جغرافیائی حالات کے باوجود لوگوں میں باہمی تعاون اور اجتماعی ذمہ داری کا احساس پایا جاتا ہے۔ یہ خصوصیات نہ صرف ان کی سماجی زندگی کو مستحکم بناتی ہیں بلکہ ان کی ثقافتی شناخت کا بھی اہم حصہ ہیں۔[24]

مریم البادی کے مشاہدات میں خواتین کی زندگی کے بعض پہلو بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک خاتون سیاح ہونے کے ناطے وہ خواتین کی سماجی اور معاشی سرگرمیوں کو خاص توجہ سے دیکھتی ہیں۔ ان کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیہی اور پہاڑی علاقوں کی خواتین گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور معاشی زندگی میں بھی فعال کردار ادا کرتی ہیں۔[25]

ثقافت کے روزمرہ مظاہر، مثلاً لباس، خوراک، بازار اور مقامی رسوم ورواج بھی سفر نامے میں جگہ پاتے ہیں۔ بظاہر یہ تفصیلات معمولی محسوس ہوتی ہیں، لیکن درحقیقت یہی عناصر کسی بھی معاشرے کی تہذیبی شناخت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ مصنفہ نے ان مظاہر کو محض معلوماتی انداز میں نہیں بلکہ ایک حساس مشاہدہ نگار کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔[26]

محمود الرجبی کے مطابق مریم البادی کے ہاں انسان محض فطرت کے پس منظر میں موجود کردار نہیں بلکہ ایک فعال تہذیبی عنصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سفر نامے میں ثقافت اور فطرت ایک دوسرے کی تکمیل کرتی نظر آتی ہیں۔ فطرت ثقافت کو ماحول فراہم کرتی ہے اور ثقافت فطرت کو انسانی معنی عطا کرتی ہے۔[27]

اس طرح علی نہر کنہار میں ثقافت محض رسوم وروایات کا بیان نہیں بلکہ ایک زندہ انسانی تجربہ بن کر سامنے آتی ہے۔ یہی تجربہ سفر نامے کو ادبی، تہذیبی اور انسانی اعتبار سے اہم بناتا ہے اور اسے معاصر عربی سفر نامہ نگاری میں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔[28]

لوک روایت، اساطیر اور تہذیبی ورثہ

مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار کا ایک اہم پہلو ان لوک روایات، عوامی داستانوں اور تہذیبی یادداشتوں کی عکاسی ہے جو شمالی پاکستان کی ثقافتی شناخت کا حصہ ہیں۔ مصنفہ نے اپنے سفر کے دوران صرف فطری مناظر اور معاشرتی زندگی کا مشاہدہ نہیں کیا بلکہ ان روایتوں اور قصوں کی طرف بھی توجہ دی ہے جو مقامی آبادی کے اجتماعی شعور میں زندہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سفر نامہ ایک جغرافیائی یا سیاحتی متن کے بجائے تہذیبی حافظے کی دستاویز کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔[29]

کسی بھی معاشرے کی شناخت اس کی اجتماعی یادداشت، تاریخی شعور اور لوک روایات سے تشکیل پاتی ہے۔ یہ روایات نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہیں اور ایک خاص تہذیبی تسلسل کو برقرار رکھتی ہیں۔ مریم البادی نے شمالی پاکستان کے مختلف علاقوں میں موجود ان روایات کو محض قصوں کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ انہیں مقامی ثقافت کی روح کے طور پر دیکھا ہے۔[30]

سفر نامے میں جھیل سیف الملوک کا ذکر اس ضمن میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ جھیل اپنے فطری حسن کے ساتھ ساتھ اس داستانی روایت کی وجہ سے بھی مشہور ہے جو صدیوں سے برصغیر کے ادبی اور عوامی شعور کا حصہ رہی ہے۔ مصنفہ جب اس جھیل کا ذکر کرتی ہیں تو اس کے حسن کے ساتھ ساتھ اس سے وابستہ رومانوی اور تخیلاتی فضا کو بھی محسوس کرتی ہیں۔ یوں جھیل ایک قدرتی مقام کے ساتھ ساتھ ایک تہذیبی علامت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔[31]

جھیل سیف الملوک کے حوالے سے موجود لوک داستانیں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ فطرت اور تخیل کے درمیان ایک گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ بعض مقامات محض اپنی جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے اہم نہیں بنتے بلکہ ان سے وابستہ کہانیاں اور روایات بھی انہیں غیر معمولی معنویت عطا کرتی ہیں۔ مریم البادی اس معنویت کو اپنے بیانیے کا حصہ بناتی ہیں اور یوں فطرت کو ثقافتی شعور سے جوڑ دیتی ہیں۔[32]

لوک روایات کا ایک اہم کام ماضی اور حال کے درمیان ربط قائم رکھنا بھی ہے۔ شمالی پاکستان کے مختلف علاقوں میں رائج عوامی حکایات، قصے اور تاریخی یادیں مقامی آبادی کے اجتماعی شعور کا حصہ ہیں۔ مصنفہ نے ان روایات کے ذریعے یہ دکھایا ہے کہ ایک معاشرہ اپنی تاریخی شناخت کو کس طرح محفوظ رکھتا ہے اور اسے آنے والی نسلوں تک منتقل کرتا ہے۔[33]

عبد المجید بغدادی کے مطابق مریم البادی نے اپنے سفر نامے میں ان تہذیبی عناصر کو نہایت حساس انداز میں پیش کیا ہے جو مقامی ثقافت کی معنوی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں لوک روایت محض تفریح یا داستان سرائی کا ذریعہ نہیں بلکہ تہذیبی شناخت کے اظہار کا وسیلہ ہے۔[34]

محمود الرجبی بھی اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مریم البادی کے ہاں مقام اپنی جغرافیائی حدود سے تجاوز کر کے ایک شعری اور علامتی وجود اختیار کر لیتا ہے۔ اس تبدیلی میں لوک روایات اور عوامی تخیل بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی عناصر مقام کو جمالیاتی گہرائی عطا کرتے ہیں اور قاری کے ذہن میں اس کی معنوی وسعت پیدا کرتے ہیں۔[35]

سفر نامے میں اساطیری اور داستانی عناصر کی موجودگی بیانیے کو مزید دل کش بنا دیتی ہے۔ مصنفہ ان عناصر کو اس انداز میں پیش کرتی ہیں کہ وہ حقیقت اور تخیل کے درمیان ایک متوازن فضا قائم رکھتے ہیں۔ نہ تو وہ انہیں محض افسانوی مواد کے طور پر بیان کرتی ہیں اور نہ ہی تاریخی حقیقت کے طور پر؛ بلکہ ان کی اصل اہمیت اس تہذیبی اور جمالیاتی اثر میں تلاش کرتی ہیں جو یہ عناصر انسانی شعور پر مرتب کرتے ہیں۔[36]

اساطیر اور لوک روایات کی یہی موجودگی سفر نامے کو تہذیبی مطالعے کی سطح تک بلند کر دیتی ہے۔ قاری صرف مقامات سے واقف نہیں ہوتا بلکہ ان مقامات سے وابستہ اجتماعی شعور، تاریخی حافظے اور ثقافتی تصورات سے بھی آشنا ہوتا ہے۔ یہی خصوصیت علی نھر کنھار کو معاصر عربی سفر نامہ نگاری میں ایک ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔[37]

فنی واسلوبی خصوصیات

مریم البادی کا سفر نامہ علی نہر کنہار صرف اپنے موضوع اور مشاہدات کی وجہ سے اہم نہیں بلکہ اپنی فنی اور اسلوبی خصوصیات کے اعتبار سے بھی معاصر عربی سفر نامہ نگاری میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اس سفر نامے میں مصنفہ نے مشاہدے، تاثر، منظر نگاری اور ثقافتی آگہی کو اس انداز میں یکجا کیا ہے کہ متن محض سفری روداد نہیں رہتا بلکہ ایک ادبی تخلیق کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔[38]

مریم البادی کے اسلوب کی پہلی نمایاں خصوصیت سادگی اور روانی ہے۔ ان کی زبان میں تصنع، تکلف اور غیر ضروری پیچیدگی نہیں پائی جاتی۔ وہ اپنے مشاہدات کو نہایت سادہ مگر مؤثر انداز میں بیان کرتی ہیں، جس کے باعث قاری بغیر کسی دقت کے متن کے ساتھ آگے بڑھتا رہتا ہے۔ یہی سلاست سفر نامے کی مقبولیت اور اثر پذیری میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔[39]

اس سفر نامے کی دوسری اہم خصوصیت منظر نگاری ہے۔ مصنفہ قدرتی مناظر کی تصویر کشی میں غیر معمولی مہارت رکھتی ہیں۔ وہ پہاڑوں، دریاؤں، جھیلوں اور وادیوں کو اس انداز میں بیان کرتی ہیں کہ قاری کے ذہن میں مکمل منظر ابھر آتا ہے۔ ان کے ہاں منظر نگاری محض ظاہری اشیا کے بیان تک محدود نہیں رہتی بلکہ احساسات اور کیفیات کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔[40]

مریم البادی کے اسلوب میں تاثر نگاری بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ وہ کسی مقام کا صرف ظاہری نقشہ پیش نہیں کرتیں بلکہ اس مقام سے وابستہ اپنی داخلی کیفیت کو بھی بیان کرتی ہیں۔ چنانچہ فطرت کے مناظر ان کے ہاں خوشی، سکون، حیرت، استعجاب اور روحانی سرشاری جیسی مختلف کیفیات کو جنم دیتے ہیں۔ یہی تاثر نگاری سفر نامے کو جذباتی اور جمالیاتی گہرائی عطا کرتی ہے۔[41]

سفر نامے میں حسی پیکر تراشی بھی قابلِ توجہ ہے۔ مصنفہ صرف دیکھنے کے عمل پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ آوازوں، خوشبوؤں اور ماحول کی مختلف کیفیات کو بھی اپنے بیانیے کا حصہ بناتی ہیں۔ دریائے کنہار کی گونج، بہتے پانی کی آواز اور پہاڑی فضاؤں کی خاموشی ان کے بیان میں ایک مکمل حسی تجربے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔[42]

محمود الرجبی نے اپنے تنقیدی مطالعے میں مریم البادی کے اسلوب کو "شعریتِ سفر" کی اصطلاح کے تحت بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق مصنفہ کے ہاں سفر محض مکانی انتقال نہیں بلکہ ایک جمالیاتی اور شعری تجربہ بن جاتا ہے۔ مقام، منظر اور احساسات اس طرح ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں کہ بیانیہ شعری لطافت اور ادبی حسن سے مالامال ہو جاتا ہے۔[43]

شعریتِ سفر کا ایک اہم مظہر یہ بھی ہے کہ مصنفہ فطرت کے مختلف عناصر کو علامتی معنی عطا کرتی ہیں۔ پہاڑ عظمت اور استقامت کی علامت بن جاتے ہیں، دریا حرکت اور تسلسل کا استعارہ اختیار کر لیتا ہے، جبکہ جھیل سکون، خاموشی اور باطنی طمانیت کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس علامتی اندازِ بیان سے سفر نامے کی معنوی گہرائی میں اضافہ ہوتا ہے۔[44]

مریم البادی کے اسلوب میں ثقافتی حساسیت بھی نمایاں ہے۔ وہ مقامی لوگوں اور ان کی روایات کو احترام اور ہمدردی کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ ان کے بیان میں کہیں بھی ثقافتی برتری یا اجنبیت کا احساس نہیں ملتا بلکہ مختلف ثقافتوں کے درمیان افہام و تفہیم اور باہمی احترام کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔[45]

فنی اعتبار سے سفر نامے کا ایک اور اہم وصف بیانیے کا توازن ہے۔ مصنفہ فطرت، ثقافت، تاریخ اور ذاتی تاثرات کے درمیان ایک متوازن ربط قائم رکھتی ہیں۔ وہ نہ تو صرف منظر نگاری میں گم ہوتی ہیں اور نہ ہی صرف معلوماتی انداز اختیار کرتی ہیں، بلکہ مختلف عناصر کو اس مہارت سے یکجا کرتی ہیں کہ متن مسلسل دلچسپی اور معنویت برقرار رکھتا ہے۔[46]

ان تمام خصوصیات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ علی نھر کنھار صرف ایک سفری روداد نہیں بلکہ ایک ایسی ادبی تخلیق ہے جس میں فطرت کی جمالیات، ثقافت کی رنگارنگی اور انسانی احساسات کی گہرائی ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر ایک منفرد فنی تجربہ تشکیل دیتی ہیں۔ یہی خصوصیت اسے معاصر عربی سفر نامہ نگاری کی اہم تخلیقات میں شامل کرتی ہے۔[47]

نتائج

مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ سفر نامہ محض سفری مشاہدات کا بیان نہیں بلکہ ایک گہرا جمالیاتی اور ثقافتی متن ہے۔ مصنفہ نے شمالی پاکستان کے قدرتی مناظر کو صرف خارجی حسن کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ انہیں انسانی احساسات، فکری واردات اور روحانی تجربات سے جوڑ کر ایک نئی معنویت عطا کی ہے۔ فطرت ان کے ہاں جمالیاتی شعور کی تشکیل کا بنیادی وسیلہ بن جاتی ہے۔[48]

تحقیق سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مریم البادی کے ہاں فطرت اور ثقافت ایک دوسرے سے جدا عناصر نہیں بلکہ ایک مربوط انسانی تجربے کے دو پہلو ہیں۔ قدرتی ماحول مقامی معاشرت اور تہذیبی اقدار پر اثر انداز ہوتا ہے، جبکہ ثقافت اپنے اردگرد کے جغرافیے اور فطری ماحول سے اپنی شناخت اخذ کرتی ہے۔ یہی باہمی ربط سفر نامے کی فکری ساخت کا بنیادی عنصر ہے۔[49]

سفر نامے میں شمالی پاکستان کی ثقافت کو نہایت مثبت اور متوازن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مہمان نوازی، سادگی، باہمی تعاون اور انسانی خلوص جیسے عناصر مصنفہ کے مشاہدات میں نمایاں ہیں۔ ان مشاہدات کے ذریعے شمالی پاکستان کی ایک ایسی تصویر سامنے آتی ہے جو تہذیبی ہم آہنگی اور انسانی اقدار کی ترجمان ہے۔[50]

مطالعے سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ لوک روایات، داستانی عناصر اور ثقافتی حافظہ سفر نامے کی جمالیاتی ساخت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جھیل سیف الملوک اور اس سے وابستہ عوامی روایات اس امر کی مثال ہیں کہ مصنفہ فطرت کو صرف جغرافیائی حقیقت کے طور پر نہیں بلکہ تہذیبی اور تخیلاتی معنویت کے حامل مظہر کے طور پر پیش کرتی ہیں۔[51]

فنی اعتبار سے مریم البادی کا اسلوب سادگی، روانی، منظر نگاری، تاثر نگاری اور حسی پیکر تراشی جیسی خصوصیات سے مزین ہے۔ محمود الرجبی کے بیان کردہ "شعریتِ سفر" کے عناصر اس سفر نامے میں نمایاں طور پر موجود ہیں، جس کے باعث متن محض سفری روداد کے بجائے ایک ادبی اور جمالیاتی تجربے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔[52]

خاتمہ

مریم البادی کا سفر نامہ علی نہر کنہار معاصر عربی سفر نامہ نگاری کی ایک اہم اور قابلِ قدر تخلیق ہے۔ اس میں مصنفہ نے شمالی پاکستان کے قدرتی حسن، ثقافتی تنوع اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت حساس اور جمالیاتی انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں فطرت محض منظر نگاری کا موضوع نہیں بلکہ ایک ایسا وسیلہ ہے جو انسانی شعور، احساس اور تفکر کو بیدار کرتا ہے۔[53]

سفر نامے کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فطرت اور ثقافت ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ قدرتی مناظر انسانی زندگی سے جدا نہیں بلکہ اس کے ساتھ گہرے تعلق میں موجود ہیں۔ اسی طرح ثقافتی مظاہر بھی اپنے فطری ماحول سے معنویت حاصل کرتے ہیں۔ یہ باہمی ربط سفر نامے کو فکری گہرائی اور ادبی وقار عطا کرتا ہے۔[54]

مریم البادی نے اپنے مشاہدات کو جس ادبی مہارت، جمالیاتی شعور اور ثقافتی حساسیت کے ساتھ پیش کیا ہے، وہ اس سفر نامے کو محض ایک سفری روداد کے بجائے ایک ادبی اور تہذیبی دستاویز میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علی نھر کنھار نہ صرف عربی سفر نامہ نگاری میں اہم مقام رکھتا ہے بلکہ پاکستان کے شمالی علاقوں کے بارے میں عربی زبان میں لکھی گئی اہم ترین سفری تحریروں میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔[55]

حوالہ جات

[1] عبد المجید بغدادی، مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، مجلۃ الإضاءات للبحوث العربیۃ، جلد 5، شمارہ 4، 2025ء، ص 202-203۔

[2] محمود الرحبی، ڈاکٹر مریم البادی کی کتاب علی نہر کنہار میں شعریتِ سفر، مجلۃ البحوث العربیۃ، جلد 9، شمارہ 1، 2026ء، ص 12۔

[3] سابقہ حوالہ، ص 13-14۔

[4] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص 203۔

[5] مریم البادی، علی نہر کنہار، دمشق: دار نینویٰ للدراسات والنشر والتوزیع، 2025ء، ص 16-18۔

[6] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص 206۔

[7] سابقہ حوالہ، ص 207۔

[8] سابقہ حوالہ، ص 202-204۔

[9] سابقہ حوالہ، ص 203۔

[10] علی نہر کنہار، ص 16-18۔

[11] سابقہ حوالہ، ص 22۔

[12] ڈاکٹر مریم البادی کی کتاب علی نہر کنہار میں شعریتِ سفر، ص 17-18۔

[13] علی نہر کنہار، ص 22-24۔

[14] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص 204۔

[15] علی نہر کنہار، ص 34-35۔

[16] سابقہ حوالہ، ص 205۔

[17] ڈاکٹر مریم البادی کی کتاب علی نہر کنہار میں شعریتِ سفر، ص 25-26۔

[18] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص 206۔

[19] سابقہ حوالہ، ص206۔

[20] علی نہر کنہار، ص40-42۔

[21] سابقہ حوالہ، ص45۔

[22] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص207۔

[23] علی نہر کنہار، ص52-55۔

[24] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص208۔

[25] علی نہر کنہار، ص63-65۔

[26] سابقہ حوالہ، ص68-71۔

[27] ڈاکٹر مریم البادی کی کتاب علی نہر کنہار میں شعریتِ سفر، ص27-28۔

[28] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص210-211۔

[29] سابقہ حوالہ، ص212۔

[30] سابقہ حوالہ، ص213۔

[31] علی نہر کنہار، ص74-75۔

[32] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص213۔

[33] علی نہر کنہار، ص80-81۔

[34] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص214۔

[35] ڈاکٹر مریم البادی کی کتاب علی نہر کنہار میں شعریتِ سفر، ص29۔

[36] سابقہ حوالہ، ص30۔

[37] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص214۔

[38] سابقہ حوالہ، ص214۔

[39] علی نہر کنہار، ص88۔

[40] سابقہ حوالہ، ص16،22،34۔

[41] مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص214۔

[42] علی نہر کنہار، ص22-24۔

[43] ڈاکٹر مریم البادی کی کتاب علی نہر کنہار میں شعریتِ سفر، ص17۔

[44] سابقہ حوالہ، ص29-30۔

45 مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص209۔

46 ڈاکٹر مریم البادی کی کتاب علی نہر کنہار میں شعریتِ سفر، ص26-28۔

47 مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص214۔

48 سابقہ حوالہ، ص214۔

49 سابقہ حوالہ، ص207۔

50 علی نہر کنہار، ص45، 55۔

51 مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص213-214۔

52 ڈاکٹر مریم البادی کی کتاب علی نہر کنہار میں شعریتِ سفر، ص29-30۔

53 مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص214۔

54 ڈاکٹر مریم البادی کی کتاب علی نہر کنہار میں شعریتِ سفر، ص30۔

55 مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ، ص214۔

مراجع

1۔ مریم البادی، علی نہر کنہار، دمشق: دار نینویٰ للدراسات والنشر والتوزیع، 2025ء۔

2۔ عبد المجید بغدادی، "مریم البادی کے سفر نامہ علی نہر کنہار میں جمالیاتی اور ثقافتی تصویریں: ایک تنقیدی مطالعہ"، مجلة الإضاءات للبحوث العربية، جلد5، شمارہ4، 2025ء۔

3۔ محمود الرحبی، "ڈاکٹر مریم البادی کی کتاب علی نہر کنہار میں شعریتِ سفر"، مجلة البحوث العربية، جلد9، شمارہ1، 2026ء۔